شبلی کی شاعری - ایک مطالعہ

ڈاکٹر یاسمین سرور

ABSTRACT:

This article depicts various aspects of Shibli's poetry. Shibli's whole poetry is the description of the political incidents of his period and his religious thoughts. Actually when Shibli saw heartrendeing events around him, he molded them into the poetry. His religious poetry reminds the dignity of the Muslims in past and encourages them to follow their fore-fathers.

علامہ شبلی نعمانی اردو کے عناصر خمسہ میں شمار کیے جاتے ہیں ۔عمومی طور پر ان کی وجہ شہرت بطور سیرت نگار ،تاریخ نگار، سوانح نگار اور نقاد کی ہے۔ **المامون، الفاروق، الغزالی، سوانح مولانا روم، سیرت النبی، شعرالعجم، الکلام** اور **علم الکلام** ان کی اہم تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ علامہ شبلی کو بطور شاعر بہت کم لوگ جانتے ہیں ۔

شاعری کا ملکہ ان میں فطری طور پر موجود تھا۔ انھوں نے کسی سے شاعری کی اصلاح نہیں لی۔ محض اپنی فطری شاعرانہ بصیرت کے بل بوتے پر شاعری کی ۔سید سلیمان ندوی اس امر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''مولانا شبلی نعمانی کی اردو شاعری بالکل خود رو پودا ہے ۔نہ انھوں نے اس میں کسی سے اصلاح لی ،نہ جم کر اردو شاعری کی اور نہ ہی کبھی اردو شاعری کو عزت وشہرت کا ذریعہ سمجھا۔''(۱)

جس طرح ایک خود رو پودا کسی بیرونی مدد کے بغیر نشوونما پاتا ہے اسی طرح شبلی نے بھی شاعری کے اسرار و رموز خود اپنے ہی باطن سے اخذ کیے اور ان کو ہی پیمانہ بنا کر بغیر کسی استاد کے شاعری کی۔ابتدا میں شبلی نے روایتی طرز کی شاعری کی لیکن جلد ہی وہ دبستان سرسید سے تعلق رکھنے اور علی گڑھ تحریک سے وابستگی کی بنا پر اپنے عہد کی فضا کے موافق مقصدیت کے تحت شاعری کرنے لگے ۔انھوں نے دینی سماجی ،اصلاحی ،تاریخی اور سیاسی معاملات و واقعات کو موضوع سخن بنایا۔

شبلی کی شاعری کو عام طور پر دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ایک دور قیام علی گڑھ کے دوران شاعری کا ہے تو دوسرا دور علی گڑھ سے علیحدگی کے بعد کا دور ہے۔ اول الذکر دور مقصدیت پر مبنی شاعری کا دور ہے اور موخر الذکر دور قومی ،ملی ، مذہبی اور سیاسی شاعری کا دور ہے۔تاہم سید سلیمان ندوی نے **کلیات شبلی** کے خلاصے میں ان کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلا دور ابتداء سے ۱۸۸۳ تک ہے اس میں ایک طویل نظم ، ایک قصیدہ اور چند نظمیں شامل ہیں۔دوسرا دور ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۸ء تک ہے اس میں ایک مثنوی ''صبح امید''، دو قصیدے اور کچھ غزلیں ملتی ہیں۔شبلی کی شاعری کا تیسرا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۸ء تک ہے اس میں چند غزلیں ہی ملی ہیں اور چوتھا دور ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک کا زمانہ ہے جس میں ہمیں شبلی کی بہترین نظمیں ملتی ہیں ۔

علامہ شبلی نعمانی نے **شعرالعجم** میں شعر و شاعری کی واضح تعریفیں متعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے ۔ انھوں نے شعر کی روایتی تعریف یعنی کلام موزوں کے بارے میں اپنی اختلافی رائے کو مفصل بیان کیا ہے ۔ان کا خیال ہے کہ شاعری محض وزن اور قافیہ کا نام نہیں۔ چنانچہ شعر کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی اشیاء کی تصویر کھینچ سکتا ہے بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔''(۲)

درج بالا بیان میں علامہ شبلی شعر کو ایسی مصوری یا نقالی قرار دیتے ہیں جس کے ذریعے ہر قسم کے جذبات و احساسات و معاملات اور واقعات کی تصویر کشی کی جاسکتی ہے۔شاعری تو وہ ہے جو ان سنی اور ان دیکھی چیزوں اور معاملات کو اس قرینے سے بیان کرے کہ وہ منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور وہ خود کو اسی فضا میں جیتا جاگتا محسوس کرے۔شبلی اس کی مزید توضیح یوں کرتے ہیں:

''اسی بناء پر کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کی اس شے کی اصلی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو اس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی۔دریا کی روانی ،جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ ،نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی تپش ، جاڑوں کی ٹھنڈک ،صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی یا رنج، غضب ، جوش، محبت ،افسوس ،حسرت ،خوشی ، ان اشیاء کا اس طرح بیان کرنا کہ ان کی صورت آنکھوں میں پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے ۔پس یہی شاعری ہے۔''(۳)

وہ شعر کی تعریف کرتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں:

''وہ جذبات جو الفاظ کے ذریعے ادا ہوں وہ شعر ہیں ۔۔۔۔۔۔شعر کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک دے وہ شعر ہے۔''(۴)

یوں علامہ کے نزدیک شعر جذبات کو تحریک دینے والا اور برانگیختہ کرنے والا کلام ہے ۔وہ اسے جذبات کا

بیان بھی کہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کے حالات و واقعات ہوں جب وہ جذبات کو اپیل کرتے ہیں تو شاعر ان سے متاثر ہو کر ان کے بارے میں اپنی تخلیق پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ شاعری کی منطقی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جو کلام اس قسم کا ہوگا کہ اس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوں اور اس کے مخاطب حاضرین نہ ہوں بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو، اس کا نام شاعری ہے۔(۵)

شاعری کے علاوہ بھی کئی ایسی چیزیں ہیں جو جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔ چنانچہ شبلی برانگیختگی سے ایسی تحریک مراد لیتے ہیں جو عام انسانوں پر اثر انداز نہیں ہوتی اور صرف ایک حساس طبیعت کے مالک شاعر کے جذبات کو ہی اپیل کرتی ہے۔ شبلی اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'' شاعر کے جذبات اور احساسات فطرۃً نہایت نازک لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہیں ۔دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہے لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بے تاب ہو جاتا ہے۔دریا کی روانی سے ہر شخص کو خطرہ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔سبزہ کے دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہے لیکن شاعر جھومنے لگتا ہے۔(۶)

ان تمام تعریفوں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبلی شاعری کے ضابطوں سے واقف تھے۔ شعر کیا ہے، شاعری کسے کہتے ہیں، ایک شاعر کیسا ہوتا ہے، وہ ان تمام فنی نزاکتوں کا شعور رکھتے تھے۔ شاید اس لیے ان کی شاعری میں بھی کمال فن کی یہ جھلک نمایاں ہے۔

شبلی نعمانی نے شروع شروع میں روایتی شاعری کا انداز اپنایا لیکن سرسید تحریک کے زیر اثر ان کے قلب و ذہن میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے قدیم اور فرسودہ شاعری کو زوال آمادہ شاعری قرار دے دیا۔وہ اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

بے ہودہ فسانہائے یاریں
زلف و خط و خال کے مضامین
وہ نوک مژہ کی نیزہ بازی
وہ شرک نگہ کی فتنہ سازی
کی سیر بھی گر چہ بحر و بر کی
لیکن نہ خبر ملی کمر کی
نالوں کے جب دکھائے تماشے
گردوں کے اڑا دیے پرخچے

(کلیات شبلی، ص۱۹)

چنانچہ شبلی جلد ہی اپنے ہم عصر شعراء و ادبا کی طرح قومی و ملی اور معاشرتی زندگی کے مسائل اور حقیقتوں کو ادب کے پیمانے میں ڈھالنے لگے۔ انھوں نے اصلاحی، سماجی اور مقصدی شاعری کو اپنا شعار بنایا۔''صبح امید''کفران نعمت''،''عدل جہانگیری''،''ہمارا طرز حکومت''،''احرار قوم''،''طفل سیاست''،''ہنگامہ مسجد

کانپور‘‘،’’علمائے زندانی‘‘،’’شرائط صلح‘‘،’’آپ ظالم نہیں زنہار پر ہم ہیں مظلوم‘‘،’’خون کے چند قطرے‘‘،’’تقسیم عمل‘‘اور’’پا بہ زنجیر کانپور‘‘ جیسی نظمیں ان کے قومی، ملی اور سیاسی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ان کی نظم ’’صبح امید‘‘ مثنوی کی ہیئت میں مولانا الطاف حسین حالی کی **مسدس مدوجذر اسلام** کا رنگ لیے ہوئے ہے۔شبلی نے یہ نظم حالی سے ہی متاثر ہوکر لکھی۔اسے قومی مسدس ’’تماشائے عبرت‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔یہ نظم علامہ شبلی نعمانی نے سرسید کے قومی تھیٹر علی گڑھ میں چندہ جمع کرنے کے لیے نہایت پرسوز لہجے میں سنائی۔یہ نظم شبلی کے قومی جذبات کی حقیقی آئینہ دار ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا یاد نہیں ہمیں وہ ایام
جب قوم تھی فرق مبتلائے آلام
وہ قوم کہ جان تھی جہاں کی
جو تاج تھی فرق آسماں کی
تھے جس پہ نثار فتح و اقبال
کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال
یہ قوم کہ تاج آسماں تھی
اب کوئی گھڑی کی مہماں تھی
عزت رہی نہ جاہ و ثروت
افلاس کی بج چکی تھی نوبت

(**کلیات شبلی**،ص۱۶۔۱۳)

یہ نظم موضوع کے اعتبار سے قومی مرثیہ ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کے سینے میں ایک سچے مسلمان کے دل کا حقیقی کرب اس نظم میں کھل کر سامنے آگیا ہے۔زور بیان کے حوالے سے یہ فنکاری کا اچھا نمونہ ہے۔فنی پختگی، بلند خیالی، روانی ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے جو اس نظم میں بھی بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔اس نظم کے پہلے حصے میں شبلی نے مسلمانوں کے ماضی کی جھلک دکھا کر انہیں عظمت رفتہ کے کھونے کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔دوسرے حصے میں انھوں نے اس ڈوبتی ہوئی ملت کے سامنے سرسید کے کردار کی مرقع سازی کی ہے اور آخری حصے میں انہیں تحریک کے لیے کھل کر امداد دینے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ تحریک ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے مسلمان ان زوال پذیر حالات سے باہر نکل کر زمانے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے دوبارہ اپنا اصل مقام حاصل کرسکتے ہیں۔

یوں۳۵۳ اشعار پرمبنی یہ نظم حالی کی مسدس کے زیراثر ہے۔حالی نے بھی **مسدس مدو جذر اسلام** میں مسلمانوں کے تابناک ماضی کو بیان کرتے ہوئے انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کا احساس دلانے کو کوشش کی ہے۔البتہ دونوں نظموں کے اسلوب بیان میں واضح فرق موجود ہے۔کچھ ناقدین ’’صبح امید‘‘ کو زبان واسلوب کے

حوالے سے مسدس حالی پر نوقیت دیتے ہیں۔لیکن مسدس حالی میں ادبی چاشنی اور روانی شبلی کی اس نظم سے کہیں زیادہ ہے۔یہ نظم جذبات و احساسات کی بہترین عکاسی تو ضرور ہے مگر زبان و بیان میں شبلی کی فلاسفیانہ، عالمانہ اور ناقدانہ شخصیت اس نظم کے مجموعی حسن پر اثر انداز ہورہی ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر حامدی کاشمیری اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں ۔

> ''لیکن دونوںں نظموں میں وہی فرق ہے جو دونوں کی شخصیتوں میں ہے۔ مسدس میں مسلمانوں کی پستی کے بارے میں حالی کا درد دل ایک نوحے میں ڈھل گیا ہے لیکن مثنوی میں شبلی کا دردقومی ایک پر جوش اور ولولہ انگیز نغمے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حالی کے مقابلے میں شبلی کے انداز میں شگفتگی زیادہ ہے۔''(۷)

''صبح امید'' کے چند اشعار کی جھلک بعد میں علامہ اقبال کی نظموں '' شکوہ'' اور '' جواب شکوہ'' میں بھی نظر آتی ہے ۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے شبلی سے بھی اثر لیا ہے۔اسلامی تہذیب اور مسلم قوم کے تابناک ماضی کے نقوش شبلی کے سامنے تھے وہ ایک مورخ کی حیثیت سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔شبلی کی اس نظم کے ذیل کے اشعار ملاحظہ کریں۔

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تا راج
کس کی آمد میں فدا کر دیا جے پال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج
کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج
تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی لوگ تھے کہ رگوں میں تیری خوں جن کا

(کلیات شبلی ،ص۷۲۔۷۱)

علامہ اقبال نے بھی اسی انداز میں جواب شکوہ میں اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے ہر آشوب کو اپنی نظموں میں بڑی خوبصورتی سے سمویا ہے۔ ان کے عہد کا ہر اہم واقعہ ان کی نظموں میں ملتا ہے۔''شہر آشوب اسلام''، '' ہنگامہ مسجد کان پور''،'' تفرقہ حق و باطل میں''اس کی مثالیں ہیں۔شبلی ایک درد مند مسلمان کی حیثیت سے یوں نالہ کنعاں ہیں:

حکومت پرزوال آیا تو پھرنام و نشاں کب تک
چراغ کشتہ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
مراکش جا چکا ،فارس گیا ،اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک

(کلیات شبلی ،ص۱۵۲)

اسی نظم میں شبلی پوری ملت اسلامیہ پر ٹوٹنے والے مظالم کی منظر کشی کرتے ہوئے احساس زوال کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے مراکش وفارس، شام نجداور فتح ایوبی کا ذکر کرتے ہیں۔ پورے عالم اسلام کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور شبلی اس زبوں حالی کی تصویر کشی کر کے مسلمانوں میں انسانی ہمدردی اور ملی حمیت اجاگر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔اس کیفیت میں ان کے جذبات کچھ یوں ہیں :

بکھرتے جاتے ہیں شیرازہ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کب تک
جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اب شبلی کہاں جائیں
کہ اب امن و اماں شام و نجد و قیرواں کب تک

(کلیات شبلی ،ص۱۵۵)

مذکورہ بالانظموں کے مطالعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی کا احساس اورفکر وتخیل پورے عالم اسلام کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ان کے اندر پوری ملت اسلامیہ کا دردموجود ہے ۔وہ اپنے سیاسی ،سماجی ، تاریخی اورتہذیبی شعور کو شاعری کی صورت میں بڑے فنکارانہ انداز میں نظم کرتے ہیں ۔ان کی شاعری فن کی تمام نزاکتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ان کی نظمیں شیریں اور رچے ہوئے شعری ذوق کی آئینہ دار ہیں ۔وہ ہر واقعہ کو اپنے شعری تجربہ میں بڑی خوبصورتی سے سموتے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ان کا سیاسی شعور نہایت بلند ہے اسی لیے وہ فصیح الفاظ میں ماضی کی جھلکیاں دکھا کر مسلمانوں میں احساس زوال پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کے لیے سرگرداں ہوں۔ یہاں ہمیں ان میں ایک رہنما کی جھلک نظر آتی ہے شاید اسی لیے سجادظہیر بھی ان کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''شبلی کی عظمت کا راز کیا ہے ؟ وہ اسلامیان ہند کی تہذیبی زندگی کے اس موڑ کے رہنما ہیں جہاں سرسید کا بتایا ہوا راستہ تاریخی اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور وہ شاہراہ آزادی شروع ہوتی ہے جس پر ابوالکلام آزاد ،محمد علی جوہر، مختار احمد انصاری اور خود علامہ اقبال جیسی مقتدر ہستیاں گامزن نظر آتی ہیں۔''(۸)

شبلی کی شاعری کا ایک اور رخ ان کی مذہبی شاعری بھی ہے۔وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی تہذیبی میراث کی بقا کے لیے مذہب کے مثالی کرداروں کی زندگیوں سے سبق آموز نکات کو نظم کی صورت میں پیش کرنا از حد ضروری ہے تاکہ امت مسلمہ کی نوجوان نسل کے اذہان کی آبیاری کی جاسکے۔ چنانچہ انھوں نے ''ہجرت نبوی''، ''تعمیر مسجد نبوی''، '' ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ کا حلم اورعفو''، ''اہل بیت کی زندگی''، ''ایثار کی اعلی ترین نظیر''، ''سادات اسلام''، ''خلافت فاروقی کا ایک واقعہ''، ''اظہاروقبول حق''، ''جرات صداقت'' اور ''عدل فاروقی کا ایک نمونہ''، جیسی شاہکار نظمیں تخلیق کیں ۔ یہ نظمیں ان کی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں انھوں نے اپنی نظموں میں جزئیات نگاری، واقعہ نگاری کے اچھوتے اور منفرد مناظر پیش کیے ہیں جیسا کہ ان اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے:

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں پنہاں
تھا جہاں عقرب واقعی کی حکومت کا اثر
نیم جاں ،خوف عدو،ترک غذا،سختی راہ
ا ن مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت سے سحر

(کلیات شبلی ،ص۹۴)

ہم دیکھتے ہیں کہ شبلی نہایت خوبی سے منفرد اور خوبصورت تراکیب کو استعمال کرتے ہوئے غار ثور کے واقعہ کو بیان کر رہے ہیں ۔مشکل زمینوں اور لمبی بحروں کا بخوب استعمال ان کے کمال شاعری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اسی طرح اہل بیت رسول کی زندگی کی مثالیں پیش کر کے مسلمان قوم کے سامنے اسلامی تاریخ کے سنہرے دور کی منظر کشی کی ہے۔ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کہ جو لاتی تھیں بار بار
گر نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

(کلیات شبلی ،ص۱۱۷)

مندرجہ بالا اشعار حضرت فاطمہ کی زندگی کی مشکلات کو پیش کرتے ہیں جب وہ بارگاہ رسالت میں اپنے لیے مال غنیمت میں سے کوئی غلام یا لونڈی مانگنے گئیں تو آپ نے ان کی دل جوئی کرتے ہوئے ان کو یہ باور کرایا کہ اصحابہ صفہ کی خدمت میں ان غلاموں کی زیادہ ضرورت ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شبلی نعمانی کا رجحان سوانح نگاری ، تاریخی حقائق ،سیرت نگاری،اور دیگر علمی و ادبی کتب اور مضامین لکھنے میں رہا۔اسی لیے انھوں نے شاعری کی طرف اتنی توجہ نہ دی یا یہ کہ انھوں نے شاعری کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا وسیلہ نہ بنایا۔ورنہ شبلی کا مزاج رومانوی تھا ۔وہ شعرو شاعری کی خدادا صلاحیت اپنے سینے میں چھپائے بیٹھے تھے ۔اور وقتا فوقتا شاعری کے میدان کو اپنے خیالا ت کی جولانی سے گوہر بار کرتے رہتے تھے۔ان کا شاعرانہ کلام بہت کم مگر معیاری ہے۔ان کے اشعار اور نظمیں ان کی بہترین شعری بصیرت اور قابلیت کا پتہ دیتے ہیں ۔وہ جس چیز کو بھی شاعری کے لبادے میں پیش کرتے ہیں مختصر مگر جامع اور فصیح الفاظ میں اس کی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔زیرنظر مختصر سی نظم میں دیکھیں انھوں نے کس خوبی کے ساتھ ایک واقعہ کی تمام جزئیات کو سمویا ہے:

کل مجھ کو چند لاشہ بے جان نظر پڑے
دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور تھے
کچھ طفل شیر خوار ہیں جو چپ ہیں خود مگر
بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
آئے تھے اس لیے کہ بنائیں خدا کا گھر
نیند آگئی ہے منتظر نفخ صور ہیں
کچھ نوجوان ہیں بے خبر نشہء شباب
ظاہر میں گرچہ صاحب عقل و شعور ہیں
اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بے دریغ
مجرم کوئی نہیں ہے مگر ہم ضرور ہیں
ہم آپ اپنا کاٹ کے رکھ دیتے ہیں جو سر
لذت شناس ذوق دل ناصبور ہیں
کچھ پیر کہنہ سال ہیں دلدادہء فنا
جو خاک میں ہمہ تن غرق نور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم ،آئی یہ صدا
ہم کشتگان معرکہء کانپور ہیں

(کلیات شبلی ،ص۵۹)

ہم دیکھتے ہیں کہ شبلی نے نہایت فنکارانہ ہنرمندی سے معرکہ ء کانپور کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ مختصرا سمیٹا ہے۔ان کے اشعار میں مشکل تراکیب استعمال ہوئی ہیں لیکن وہ نامانوس نہیں ہیں بلکہ سوز وگداز ،اثر آفرینی اور ادبی چاشنی کا مرقع ہیں ۔ان کا شعری اسلوب تلمیحات سے بھرپور علمیت کی شان بھی لیے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی سے بھی لبریز ہے۔الفاظ وتراکیب اچھوتے اور انوکھے ہیں جو اپنی ذات میں فصاحت و بلاغت کا عنصر لیے ہوئے ہیں ۔ماضی کے حوالے ،مورخانہ بصیرت اور دردوسوز سے بھرپور جذبات ان کی تحریر کا لب لباب ہیں ۔ان کے اسلوب میں کمال بے ساختگی نظر آتی ہے۔وہ کسی بھی موضوع پر بے ساختہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

ان کی شاعری میں فطرت کی بھی حسین جھلکیاں نمایاں نظرآتی ہیں۔''تمہید قصیدہ مدح سلطان عبدالحمید خان'' میں وہ آغاز میں فطرت کے جو مناظر پیش کرتے ہیں وہ داد کے قابل ہیں۔ ذیل کے اشعار اس کی واضح مثال ہیں:

پھر بہار آئی شاداب ہیں پھر دشت و چمن
چمن گیا رشک گلستان ارم پھر گلشن

شعلہ زن پھر چمنستان میں ہوئی آتش گل
پھر صبا چلتی ہے گلشن میں بچا کر دامن
آگ پانی میں لگادی ہے کسی نے شاید
حوض میں عکس گل و لالہ ہے یا جلوہ فگن
کوندتی برق ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی
بوندیاں پڑتی ہیں چلتی ہیں ہوائیں سن سن

(کلیات شبلی ،ص۹۱)

مذکورہ بالا اشعار فطرت کے مناظر کی دلکش عکاسی ہیں۔آخری شعر میں صوتی آہنگ داد کے قابل ہے۔شبلی کی شاعری کا یہ پہلو بھی نا قابل فراموش ہے کہ وہ طبقہ احرار سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے وہ اپنی نظمیں اعلانیہ اپنے نام سے شائع کراتے تھے۔ان کی نظمیں ندوۃ سے علیحدگی کے بعد زیادہ موثر اور جوشیلی ہوگئیں ۔ان میں طنز ومزاح کا ہلکا سا عنصر بھی نمایاں نظر آتا ہے''ان کی نظم علمائے زندانی'' سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

مساجد کی حفاظت کے لیے پولیس کی حاجت ہے
خدا نے آپ کو مشکور فرمایا ،عنایت ہے
عجب کیا ہے کہ اب ہر شاہراہ سے یہ صدا آئے
مجھے بھی کم سے کم اک غسل خانے کی حاجت ہے
پہنائی جارہی ہیں عالمان دین کو زنجیریں
یہ زیور سید ''سجاد'' عالی کی وراثت ہے

(کلیات شبلی ،ص۱۳۱)

شبلی کی شاعری کا ایک موضوع عشق بھی ہے شبلی نعمانی کی عشقیہ شاعری عطیہ فیضی کے گرد ہی گھومتی ہے۔اس قسم کی شاعری زیادہ تر فارسی اشعار کی صورت میں ہے۔شبلی نے فارسی شاعری میں ''دستہ گل''اور''بوئے گل'' کے نام سے جو غزلیات لکھی ہیں وہ وہ زبان و بیان کے لحاظ سے نہایت عمدہ ہیں اور شبلی کی محبت کے خلوص کو ظاہر کرتی ہیں۔ان غزلوں کے متعلق شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ

''شبلی کی فارسی شاعری الفاظ کے انتخاب ،خیالات کی تازگی ،طرز ادا کی شستگی میں ترشے ہوئے ہیرے ہیں۔(۹)

شبلی عطیہ سے بے حد محبت کرتے تھے یہ محبت دستی میں بدل گئی ان کی بے لوث محبت کا اظہار ان کے اس فارسی شعر سے بھی ہوتا ہے:

رگ سنگم ، رارے مے نویسم

کف خاکم، غبارے مے نویسم

ترجمہ:''قرۃ عینی!تمہارا خط جو مدت کے بعد ملا تو بے ساختہ میں نے آنکھوں سے لگایا اور دیر تک بار بار پڑھتا رہا۔''(۱۰)

اردو میں جو اشعار ہیں وہ بھی عطیہ کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کی خوبصورت داستان معلوم ہوتے ہیں ۔ذیل کے اشعار شبلی کی ان کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں:

ہوائے روح پرور بھی یہاں کی نشہ آور ہے
یہاں فکر مے جام و سبو ہو گی تو کیوں ہو گی
کہاں یہ لطف یہ منظر یہ سبزہ یہ بہارستان
عطیہ ! تم کو یاد لکھنو ہو گی تو کیوں ہو گی (۱۱)

غرض یہ کہ علامہ شبلی کی شاعری پہ اسلامی اقدار اور ان کے عہد کی گہری چھاپ نظر آتی ہے ۔وہ ایک باکمال شاعر ہیں، انھوں نے اگرچہ ایک مختصر سا کلیات ہی اردوادب کی جھولی میں ڈالا،لیکن جو بھی اشعار ہیں وہ سراپا انتخاب معلوم ہوتے ہیں ۔وہ شاعری کو تخیل اور محاکات کے زیراثر وجدانی اور جمالیاتی شعور سمجھتے ہیں۔ان کی شاعری میں جا بجا تخیل کے سہارے عہد رفتہ کی یادیں تصویروں کی صورت منقش ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) سلیمان ندوی،سید، **تاریخ ادب اردو** ،جلد چہارم،ص۳۔۴
(۲) شبلی نعمانی، **شعرالعجم** ،جلد اول نیشنل بک فاؤنڈیشن ،اسلام آباد،۱۹۷۲ء،ص۱۱
(۳) شبلی نعمانی، **شعرالعجم** ،جلد اول ،نیشنل بک فاؤنڈیشن ،اسلام آباد،۱۹۷۲ء،ص۱۳
(۴) شبلی نعمانی، **شعرالعجم** ،جلد اول ،نیشنل بک فاؤنڈیشن ،اسلام آباد،۱۹۷۲ء،ص۳
(۵) شبلی نعمانی، **شعرالعجم** ،جلد اول نیشنل بک فاؤنڈیشن ،اسلام آباد،۱۹۷۲ء،ص۱۱
(۶) شبلی نعمانی، **شعرالعجم** ،جلد اول نیشنل بک فاؤنڈیشن ،اسلام آباد،۱۹۷۲ء،ص۱۳
(۷) حامد کاشمیری، **جدید اردو نظم اور یورپی اثرات**،۱۹۶۸ء،ص۱۱۸
(۸) سجاد ظہیر(مضمون)مشمولہ **شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں**،ازعبداللطیف اعظمی،شبلی اکادمی دہلی،۱۹۴۵ءص۲۵
(۹) شیخ محمد اکرام، **یادگار شبلی** ، ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،۱۹۷۲،ص۳۳۰
(۱۰) خطوط شبلی ص۳۹
(۱۱) شبلی نعمانی، **کلیات شبلی** (اردو)،طبع چہارم،معارف پریس ،اعظم گڑھ،۱۹۵۴ء،ص۲۲۳